پاکستان کے دینی مدارس میں حفظِ قرآن کی تاریخ و منہج: ایک تحقیقی جائزہ

The History and Methodology of memorizing the Holy Quran in Deeni Madaris of Pakistan: A research based study

ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی [i] منصف شہزاد [ii]

Abstract

This research paper deals with the historical review as well as the methodology adopted in the memorization of the Holy Quran by the religious institutions of Pakitan. Memorizing the Holy Quran has been an instersting ambition of Muslim since the period of the Companions of the Holy Prophet (s.a.w). It is not exactly know that when this trend developed in Sub-Continent. But the fact remains that the Muslims entered this territory in the beginning of 7th century of Hijra. Similarly, the preachers come from Afghanistan, Iran, Central Asia and Middle East who conveyed the message of Islam and consequently the trend of learning the Holy Quran got developed. Before and after the independence of Pakistan, many religious istitutions have been doing this prestigious job. These centres are located in nearly every part of the country. The mosques are also utalized for this purpose. As per the detailed collected from the survey of various Hifz Madaris, it reveals that the majority are full time istitutions. The Hifz Classes are taken according to the traditional method. In this article, a detailed analysis has been provided with subject to the history and methodology of Hifz Madaris which shall explore the new ideas for researchers.

Key words

Memorization, Preachers, Intitutions

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس کی وحی کی ابتداء لفظ "اقرأ" سے کی، پھر ان ہی ابتدائی آیات میں علم اور قلم کا ذکر کیا، پھر خود ہی اس بات کا برملا اعلان بھی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت معلم کی ہے۔ لہذا ان تمام قرائن سے یہ بات اخذ کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد اعلیٰ تعلیم تھی، بعید از قیاس نہیں۔ اور تعلیم کے لئے تمام علوم کا سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ اس لئے کہ یہی وہ علم تھا جس کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ انسانیت تک پہنچانے کے لئے نبی کو مبعوث کر کے اسے علم سے نوازا جائے اور اس سے ساری انسانیت کو سرفراز کیا جائے۔ قرآن کریم کے سب سے پہلے حافظ اللہ تعالیٰ کی

---

i چیئرمین شعبہ سیرت سٹڈیز، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ii عریبک ٹیچر، جی ایچ ایس، بفہ، خیبر پختونخواہ

ذات ہے اور حضرت جبریلؑ کے توسط سے نبی کریم ﷺ انسانوں میں سب سے پہلے حافظ قرآن ہیں۔ حفظِ قرآن کریم انتہائی بڑی دولت ہے جس کے لیے روئے زمین پر یاد کرنے اور سیکھنے سکھانے کا ذریعہ علومِ اسلامیہ کے مدارس ہیں۔ انہی مدارس نے قرآن کریم کے حفظ کی دولت کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور یہ تعلیمِ قرآن کتنی بڑی خدمت ہے، اس کا اندازہ اس ارشاد رسول ﷺ سے کیا جا سکتا ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے:

عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ القُرْآنَ وَعَلَّمَهُ[1]

"حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔"

بارِ نبوت اٹھانے کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ لوگوں کو دعوتِ اسلام اور قرآنی تعلیمات دینے میں مشغول ہو گئے لیکن آپ ﷺ کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ سن 5 نبوی میں ضعفائے اسلام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جب کہ مکہ میں رہ جانے والے سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ سن 6 نبوی میں رسول اللہ ﷺ نے دار ارقم میں پناہ لی اور یہیں سے دعوت اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور اسی میں دین اور قرآن کی تعلیم کا شغل بھی جاری رہا۔[2] اسی طرح مکہ میں دو دو چار چار صحابہ کرام جمع ہو کر قرآن پڑھتے تھے۔ شعب ابی طالب میں تین سالہ حصار کے دور میں حضور اکرم ﷺ قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔

دورِ رسالت کی درسگاہیں

مکہ مکرمہ میں حالات زندگی کی ناسازگاری کے باوجود کسی نہ کسی طرح قرآن کریم کی تعلیم جاری تھی۔ اس پورے دور میں کوئی باقاعدہ درسگاہ نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے تھے۔ حج اور دیگر مواقع پر لوگوں کو قرآن سناتے تھے۔ اس دور میں مسجد ابو بکر صدیق، دار ارقم، بیت فاطمہ بنت خطاب، شعب ابی طالب وغیرہ کو کسی حد تک قرآنی درس گاہوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مکی دور میں متعدد متعلمین اور قراء پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دی۔ اولین مسلمانوں میں سے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مکہ میں بیت فاطمہ بنت خطاب میں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت سالم مولیٰ حضرت ابو حذیفہ ہجرت مدینہ سے قبل قباء میں، حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم نقیع الحضمات میں اور حضرت رافع بن مالک زرقی رضی اللہ عنہم مسجد بنی زریق میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔ یہ سب مکہ ہی کے فضلاء اور فارغین تھے اور ان کے اصحاب و تلامذہ مدینہ کی مساجد میں امامت اور تعلیم کی خدمات انجام دیتے تھے[3]۔

ان تین مستقل درسگاہوں کے علاوہ مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس اور حلقات جاری تھیں۔ جہاں حضرت عبادہ بن صامت، عتبہ بن مالک، معاذ بن جبل، عمر بن سلمہ، اسید بن حضیر اور مالک بن حویرث رضی اللہ

عنہم ان کے امام اور معلم تھے۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی جس میں مرکزی درسگاہ کا قیام ہوا اور مدینہ کی چھوٹی بڑی درسگاہیں اس مرکز سے متعلق ہو گئیں۔ یہ درسگاہ ابتداءً مجلس اور حلقہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مصلی پر رہتے، پھر اٹھ کر ستون ابو لبابہ کے پاس تشریف فرما ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور تعلیم و تعلم کا دور چلتا۔ حاضرین مجلس میں بعض طلباء مستقل رہائشی تھے جیسے اصحاب صفہ وغیرہ جب کہ بعض روزانہ آتے جاتے تھے [4] مجلس نبوی میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے۔ ان میں اصحاب صفہ ہمیشہ حاضر رہا کرتے تھے۔ ان طلباء کی تعداد کم و بیش 70 تک رہتی تھی۔ جبکہ علماء نے ان کی مجموعی تعداد 400 تک بتائی ہے [5]۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تعلیم نہایت مؤثر اور پر کشش تھا۔ گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے اور ہر بات کو تین بار دہراتے تھے۔ [6] طریقہ تعلیم میں سوال و جواب کا معمول تھا۔ [7] طریقہ تعلیم میں صحابہ کرام کا آپس میں مذاکرہ بھی لازمی جزو تھا۔ [8] قرآن کی تعلیم عام طور سے زبانی ہوتی تھی۔ مصاحف کا انتظام نہیں تھا۔ مکہ مکرمہ میں بیت فاطمہ بنت خطاب میں صحیفہ کا ذکر ہے۔ [9] کئی صحابہ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ عام صحابہ بقدر ضرورت چند سورتیں یاد کر لیتے تھے۔ اس زمانے میں قرآن کے تمام پہلوؤں سے تعلیم دی جاتی تھی اور معلم کو مقری ہی کہتے تھے، اس لئے کہ تعلیم کا تمام سرچشمہ قرآن ہی تھا۔ لہذا اس کے ساتھ جس چیز کا اضافہ تھا، وہ تشریح تھی جو رسول اللہ ﷺ نے سکھائی تھی اور عرب اہل زبان ہونے کی بدولت قرآن کی آیات پر ساتھ ساتھ عمل پیرا ہوتے تھے۔ اس سے انھیں وہ آیات یاد بھی ہو جاتی تھیں۔ صرف صفہ کے اصحاب کی یہ عادت تھی کہ آیات کو باقاعدہ زبانی یاد کرنے کی سعی کرتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبوی شریف میں مرکزی درسگاہ قائم ہوئی جس میں سید المعلمین رسول اللہ ﷺ خود معلم تھے۔ نیز حضرت ابو بکر صدیق، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہم وغیرہ اس درسگاہ کے معلم و مقری تھے۔ یہاں کے طلباء اپنے گھروں میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دیتے تھے اور کچھ ہی عرصے میں پورا شہر مدینہ دار العلم بن گیا۔ اس کے گلی کوچے تلاوت قرآن کی آواز سے گونجنے لگے۔ مختلف علاقوں سے قبائل اور وفود مدینہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ قراء صحابہ کو معلم بنا کر قبائل میں روانہ کرتے تھے۔ اس دور میں مکہ، مدینہ اور یمن کے مختلف علاقوں اور بستیوں میں تعلیم و تعلم کی سرگرمیاں زیادہ تھیں۔

عہد صحابہ کی درسگاہیں

رسول اللہ ﷺ کے بعد درسگاہ نبوت کے فضلاء و فارغین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب و سنت، فقہ و فتویٰ اور دینی علوم کے حامل و ناشر اور معلم و ترجمان تھے۔ وصال نبوی کے بعد ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی جنھوں نے براہ راست آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں اور مجلسوں

میں کتاب و سنت، فقہ و فتاویٰ کی تعلیم دیتے تھے۔ خلافت راشدہ میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا تو صحابہ کرام اطراف عالم میں پھیل گئے اور تعلیم و تعلم کی خدمت سر انجام دیتے رہے [10]۔

مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، دمشق، حمص، مصر اور عالم اسلام کے بڑے بڑے شہروں میں قرآن کی قرأت وحفظ، تفسیر، حدیث کی روایت اور تفقہ فی الدین کی تعلیم کے لئے جوامع و مساجد میں مستقل حلقات اور مجالس کا انتظام ہوتا تھا جہاں علمائے صحابہ تعلیم و تعلم کی خدمات انجام دیتے تھے، یہاں تک کہ تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ سفر و حضر، مرض و صحت ہر حالت میں جاری رہتا تھا [11]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سب سے پہلے بچوں کے لئے مکتب جاری کئے، اس میں معلم مقرر کیے۔ بعض مورخین نے اس کو اولیات عمر رضی اللہ عنہ میں شامل کیا ہے [12]۔

اسی طرح محلی ابن حزم کی روایت ہے:

كان بالمدينة ثلاثة معلمين يعلمون الصبيان فكانعمريزق كل واحد منهم خمسة عشر كل شهر [13]

بعض علماء کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بنانہ دالبی، عامر بن عبداللہ خزاعی اور ابو سفیان تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں بنانہ دالبی کے بارے میں کہا ہے کہ ایک کوفی استاد تھا جو مدینہ کے بچوں کو قرآن پڑھاتا تھا [14]۔

اسی طرح الفواکہ الدوانی علی رسالۃابن ابی زید القیروانی میں لکھا ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مکتب جاری کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی کو بچوں کی تعلیم کا حکم دیا اور بیت المال سے ان کے لئے اجرت نہیں بلکہ وظیفہ جاری کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچے کے لئے تختی پر لکھیں اور ذہین بچے کو زبانی تعلیم دیں۔ اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کڑی پابندی کے بارے میں بات کر کے تخفیف کروائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ نماز فجر سے ضحیٰ عالی یعنی دس گیارہ بجے تک اور ظہر سے عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں [15]۔"

محرم 20 ہجری میں وظائف و عطایا کا انتظام ہوا تو آپ نے قرآن پڑھنے والوں کا بھی وظیفہ جاری کیا۔ [16] ابتداء ہی سے مکاتب کا کوئی مخصوص نصاب نہ تھا بلکہ وقت کی ضرورت کے مطابق اس میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس نصاب میں قرآن کی تعلیم ایک لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن اور دین کی بنیادی تعلیم کے ساتھ کتابت کی تعلیم ہوتی تھی۔

عہد بنو امیہ و بنو عباس کی درسگاہیں

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے مکاتب قائم کیے گئے۔ اجتماعی مکاتب عوام الناس کے لئے اور انفرادی مکاتب امراء ورؤسا کے بچوں کے لیے تھے۔ ہر دو قسم کے مکاتب میں طلباء کی ضروریات کے پیش نظر الگ الگ نصاب ہوتا تھا۔ اسی طرح مکتب میں تعلیم دینے والوں کے بھی الگ نام رکھے گئے۔ وہ معلم جو بادشاہوں، امراء اور صاحب حیثیت لوگوں کے ہاں جا کر ان کے بچوں کو تعلیم دیتے تھے، انھیں مؤدب کالقب دیا گیا۔ اور جو معلم کتابت کی تعلیم میں شہرت ومہارت رکھتا تھا، اس کو مُکتّب اور مُکتب کہتے تھے اور لفظ معلم عام تھا۔ کتابت کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر بچوں کی درسگاہ کا نام ہی مکتب جمع مکاتب اور کتّاب جمع کتابت پڑ گیا تھا۔ مکتب کے بچوں کے ذہن ومزاج کا لحاظ کر کے ان کی تعلیم میں زیادہ سے زیادہ آسانی کی جاتی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ مصحف میں اعراب اور نقطے لگانے کے خلاف تھے لیکن بچوں کے لئے اس کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ:

واما المصاحف الصغار التی یتعلم فیها الصبیان والواحهم فلا اریٰ بذٰلك باساً[17]

برصغیر میں مدارس

مکاتب اور حلقات کا یہ سلسلہ ارتقائی مراحل طے کرتا ہوا برصغیر میں پہنچا۔ برصغیر میں مدارس کی باقاعدہ ابتداء کب سے ہوئی ہے؟ اس بارے میں تاریخ کوئی واضح جواب فراہم نہیں کر رہی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا داخلہ پہلی صدی کے اواخر میں ہوا۔ یہ داخلہ پورے ہندوستان پر مؤثر نہ تھا بلکہ اس کے ساحلی علاقوں تک ہی محدود تھا۔ لہذا اسی صدی میں یہاں اسلام پھیلنا شروع ہوا ہے اور اسی وقت سے یہاں قرآن کی تعلیمات شروع ہوئی ہیں۔ اس وقت باقاعدہ مکاتب کی صورت نہیں تھی۔ لیکن سینہ بسینہ اور گھروں میں قرآن کی تعلیم کا کام شروع ہو چکا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی توجہ فتح ہند کی طرف 390ھ سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان کا بیشتر مغربی حصہ اسلامی پرچم کے نیچے آگیا۔[18] سلطان محمود علم دوست اور علماء پرست بادشاہ تھا۔ اس کا دربار علماء، حکماء اور شعراء کا مرجع وماویٰ تھا۔ اس کو اپنے دور حکومت میں مدارس و مساجد قائم کرنے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ فرشتہ نے سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان میں فتح قنوج سے کامیاب وطن واپسی پر دینے والے فرمان کا حوالہ دیا ہے کہ غزنی میں ایک خوبصورت مسجد اور مدرسہ بنوا دیا جائے۔ چنانچہ ایک ایسی خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی جسے عروس فلک کہا جانے لگا۔ مسجد کے ساتھ مدرسہ بھی تعمیر ہوا جس میں ایک نفیس کتب خانہ بھی بنوایا گیا[19]۔

ہندوستان کے طول وعرض میں مختلف ادوار کے سلاطین اور امراء نے جن علاقوں میں مدارس قائم کیے ان میں اجمیر، دہلی، پنجاب، آگرہ، متھرا و نروار، شاہجہان پور و بریلی، اودھ، فرخ آباد، جونپور، بہار، بنگال، دکن، مالوہ، ملتان، کشمیر اور گجرات کے علاقے نمایاں ہیں۔ ان مدارس میں سے اکثریت اُن مدارس کی ہے جو حکومت کی سرپرستی میں قائم ہوئے اور

مدارس کے تمام اخراجات حکومت کے ذمے تھے۔ البتہ بعض مدارس ایسے تھے جو ذاتی تھے۔ تعلیم و تعلم کی سرپرستی کے حوالے سے مغلیہ دور حکومت کے فرمانرواؤں کے فرمان ملتے ہیں۔ مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے والی صوبہ گجرات مکرمت خان کے نام فرمان جاری کیا کہ مملکت محروسہ کے تمام علاقوں میں مدرس مقرر کیے جائیں، طلباء و مدرسین کو سرکاری خزانہ سے وظائف دیئے جائیں [20]۔

بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد ہی سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور اشاعت تعلیم کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کسی قدر کمی واقع ہو گئی تھی لیکن پھر بھی جوں توں کر کے مدارس دینیہ میں علوم اسلامیہ کی تعلیم جاری رہی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو مغل تاجدار کی طرف سے حقوق دیوانی 1756ء میں حاصل ہوئے اور اس طرح گویا کمپنی کی حکومت کا آغاز ہوا۔ لیکن چونکہ مملکت ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی اور عدالتوں میں فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے تو کمپنی نے اس طریقہ تعلیم میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی۔ لہذا کمپنی نے اسی قدیم طرز تعلیم پر 1781ء میں کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا اور پھر 1794ء میں سنسکرت کالج قائم کیا۔ 1797ء سے جدید انگریزی تعلیم کا رواج شروع ہوا اور کمپنی کے قائم کردہ مدارس میں انگریزی تعلیم کی جماعتیں بھی کھول دی گئیں۔[21] لیکن جب 1838ء میں عدالتوں سے فارسی زبان کو خارج کیا گیا اور 1849ء سے حکومت کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی اور مدارس کے اوقاف ضبط کر لیے گئے اور طلباء کرام کے وظائف بند کر دیئے گئے۔ مدارس دینیہ کو پوری حکمت عملی کے ساتھ تباہ و برباد کیا گیا[22]۔

دینی مدارس کے لیے سرکاری سرپرستی کے خاتمے کے باوجود مسلمانوں کے عوام و خواص نے اپنی مدد آپ کے طور پر دینی علوم کے احیاء کی ضرورت کا احساس کیا اور مختلف علاقوں میں دینی مدارس کی بنیاد رکھی۔

تحفیظ القرآن اور قرأت کے حوالے سے ہندوستان کی آخری دو صدیوں سے پہلے کی تاریخ خاموش دکھائی دیتی ہے۔ البتہ اس ضمن میں یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر میں حفظ القرآن کا رواج ہی نہ رہا ہو گا۔ کیونکہ یہ تاریخی اور زمینی حقائق کے منافی نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ جو خطہ آج دنیا بھر میں سب سے زیادہ حفاظ و قراء پر مشتمل ہے اس میں آمد اسلام سے آج تک حفظ قرآن کے تواتر کے سلسلے میں انقطاع نہیں آ سکتا۔ اس لئے کہ حفظ القرآن کی تعلیم ایک ایسا سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والا کام ہے جو انقطاع کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور عملی طور پر اس قدر اشتغال اور التفات آمیز کام ہے کہ یہ عمر بھر کا اشتغال چاہتا ہے۔ علم قرأت کو برصغیر میں اصل ترقی اورنگزیب عالمگیر متوفی میں حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ وہ خود بھی شیخ احمد المعروف ملاجیون کے شاگرد تھے اور انھوں نے بشمول باقی کتب کے قراءات سبعہ بھی پڑھی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم اور علماء کے نہایت قدر دان تھے۔ اس دور کے ضعیف عقائد اور علوم کے مقابلے میں انھوں نے دین کی نشر و اشاعت کی طرف خاص توجہ فرمائی [23]۔

جنگِ آزادی کے بعد برصغیر میں حفظِ قرآن کی تدریس

برصغیر پاک وہند میں قرآن کریم کی درس وتدریس کا کام تو اوائل اسلام میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ایک نئے اسلوب کی بنیاد میں 1857ء کی جنگ آزادی نے اہم کردار ادا کیا۔ عرصہ حیات تنگ ہونے پر بعض معزز خاندانوں نے مکہ مکرمہ ہجرت کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے تھانہ بھون سے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمہ اللہ نے کیرانہ سے اور جناب محمد بشیر خان، ان کے بڑے بھائی اور ان کے خاندان سمیت سترہ افراد نے ہندوستان سے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت فرمائی[24]۔ محمد بشیر خان کے تین صاحبزادے عبداللہ، عبدالرحمن اور حبیب الرحمن تھے۔ محمد بشیر خان نے ان تینوں صاحبزادوں کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی سرپرستی میں دیا۔ محمد بشیر خان کے انتقال کے بعد یہ تینوں صاحبزادے مکمل طور پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی سرپرستی میں آ گئے۔ اور انہی تین صاحبزادوں نے آگے چل کر ہندوستان میں علم قراءت اور تجوید کی نئی طرح کی بنیاد رکھی جسے حجازی طرز کا نام دیا گیا۔

1291ھ، مطابق 1876ء میں مولانا حاجی امداد اللہ اور مولانا رحمت اللہ نے مل کر مکہ معظمہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام "مدرسہ صولتیہ" رکھا گیا۔ اس کا نام صولت النساء کے نام پر رکھا گیا جس نے اس مدرسہ کی تعمیر میں مکمل مالی تعاون کیا۔[25] قاری عبداللہ تو تاحیات مکہ مکرمہ ہی میں رہے جبکہ قاری عبدالرحمن اور قاری حبیب الرحمن پہلے مکہ مکرمہ اور بعد میں اپنے بزرگوں کے حکم پر ہندوستان تشریف لائے اور تاحیات قرآنی علوم کی تدریس سے وابسطہ رہے۔ اسی طرح علی گڑھ کے معزز باشندے جیون علی کے دو بیٹے عبدالخالق اور عبدالمالک تھے، جن کی تاریخ پیدائش بالترتیب 1298ھ اور 1303ھ تھی۔ عبدالمالک کی پیدائش کے ساتھ ہی جیون علی کی وفات ہوئی۔ عبدالخالق ہندوستان ہی میں حفظ قرآن مکمل کر چکے تھے۔ والدہ نے بچوں کی مزید تعلیم وتربیت کے لیے مدرسہ صولتیہ میں داخل کروا دیا جہاں سے قاری عبدالمالک نے حفظ مکمل کیا اور پھر قاری عبداللہ مکی سے علم تجوید وقرأت میں بالخصوص اور دیگر علوم میں بالعموم استفادہ فرمایا۔ کئی سالوں کی بھرپور محنت کے بعد دونوں بھائیوں نے قاری عبداللہ مکی سے روایت حفص کی تکمیل کی اور فراغت کے بعد وطن واپسی کا ارادہ کیا۔ دونوں بھائی ہندوستان واپس آئے اور مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں دونوں بھائی تجوید وقرأت کے فروغ واشاعت کے لیے کوشاں ہو گئے۔ قاری عبدالخالق تاحیات اسی مدرسہ میں رہے جبکہ قاری عبدالمالک کچھ عرصہ بعد اسے خیر باد کہہ گئے تھے۔ اور پھر تمام عمر ہندوستان کے مختلف مدارس میں پڑھانے کے بعد بالآخر پاکستان بھی تشریف لائے اور اپنی آخری عمر تک پاکستان ہی میں تدریس کرتے رہے۔

پانی پتی طرز

پانی پتی طرز وہ طریق ہے جس کی ابتداء پانی پت سے ہوئی۔ قاری مصلح الدین عباسی پانی پت میں اس روایت کے موسس ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ انھیں یہ منزل مدینہ منورہ سے ملی۔ آپ سے فیض حاصل کرنے والوں میں آپ کے بیٹے

قاری عبید اللہ المعروف قاری لالہ اور ان کی صاحبزادی فضیلت النساء عرف بی بی، حافظ محمد زبیر پانی پتی، قاری قادر بخش پانی پتی کے چھوٹے بھائی اور قاری عبدالرحمن محدث کے والد حافظ اکرام اللہ انصاری، قاری احمد انصاری پانی پتی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔[26] قاری مصلح الدین عباسی پانی پتی کی اس روایت کے بانی اور مؤسس ضرور ہیں لیکن اس روایت اور اس اسلوب کی اشاعت کا شرف ان کے صاحبزادے قاری لالہ کو حاصل ہوا۔ قاری لالہ نے اپنی ساری زندگی قرآن کی خدمت کی اور بالآخر 1260ھ کو بھوپال میں انتقال فرمایا۔[27] پانی پتی انداز کے تیسرے دور میں جن بزرگوں نے خدمات انجام دیں، ان میں قاری نجیب اللہ عثمانی الانصاری، قاری قادر بخش انصاری، قاری کبیر الدین، قاری عبدالرحمن انصاری محدث پانی پتی اور قاری محمد پانی پتی وغیرہ شامل ہیں۔ پانی پت روایت اور اسلوب تدریس کا چوتھا دور قیام پاکستان 1947ء تک جاری رہا۔ پاکستان میں اس طرز کی اشاعت کروانے والوں میں قاری فتح محمد اعمی اور ان کے نامور شاگرد قاری رحیم بخش ملتانی ہیں۔ قاری فتح محمد اعمی قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی کے شاگرد تھے۔ وصال سے پہلے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔[28] پاکستان میں اس روایت کی اشاعت اور اس کی مقبولیت کا سہرا قاری رحیم بخش ملتانی کے سر ہے جن کے ذریعے یہ روایت پوری دنیا میں پہنچی[29]۔

قیامِ پاکستان کے بعد حفظِ قرآن کی تدریس

1947ء میں قیام پاکستان کے وقت دینی مدارس بھی عام تعلیمی اداروں کی طرح ملک میں بہت کم تھے۔ معیاری اور مرکزی نوعیت کے دینی مدارس بھارت ہی میں رہ گئے تھے اور پاکستان سے طلباء کے لیے بھارت جاکر تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن علماء نے پاکستان میں انہی خطوط پر دینی تعلیم کے لیے مدارس کے قیام کا عمل جاری رکھا اور دینی مدارس کی تعداد میں آئے روز اضافہ ہوتا رہا اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ساٹھ کی دہائی میں اور بعد میں دینی مدارس کے اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر مختلف کوششیں کی گئیں۔ تاہم یہ کوششیں کسی نہ کسی صورت میں نامکمل ہیں اور طلباء کی تشنگی کو کم یا ختم کرنے میں ناکام ہیں۔ پروفیسر حافظ نذر احمد (گڑھی شاہو لاہور) نے ذاتی لگن اور شوق سے دینی مدارس کے اعداد و شمار اکٹھے کر کے دو رپورٹیں شائع کیں جن کے نام یہ ہیں۔

1. جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان 1960ء
2. جائزہ مدارس عربیہ پاکستان 1972ء

سرکاری سطح پر وفاقی وزارت مذہبی امور، اسلام آباد نے 1979ء میں ''رپورٹ قومی کمیٹی برائے دینی مدارس'' شائع کی۔ وفاقی وزارت تعلیم نے دینی مدارس پاکستان کی جامع رپورٹ 1988ء شائع کی۔ اس کے علاوہ 2000ء میں وزارت تعلیم کے شعبہ دینی تعلیم نے مدارس کے اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ یہ رپورٹیں کئی حوالوں سے ادھوری ہیں۔ دینی

مدارس کی روز افزوں ترقی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عوام الناس کی طرف سے دینی مدارس کے قیام وبقا کے لیے کی جانے والی کوششوں کو قبولیتِ الٰہی حاصل ہے۔

پاکستان میں حفظ کا منہج و اسلوب

پاکستان میں حفظ کا منہج معلوم کرنے کے لیے ایک جامع سروے کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے اسلام آباد، ایبٹ آباد، پشاور، راولپنڈی، سوات، شانگلہ، فیصل آباد، قصور، کراچی، کوہستان، گوجرانوالہ، لاہور، مانسہرہ، ملتان، مظفر آباد، مردان ، نوشہرہ اور ہری پور کے مخصوص مدارس کا سروے کیا گیا۔ ہمارے پیش نظر یہ چیز تھی کہ مدارس کے بارے میں ایسی معلومات حاصل کی جائیں جن سے مدارس کے منہج و اسلوب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے۔ لہذا اس مقصد کے لیے سوالنامہ (Questionnaire) ترتیب دیا گیا۔ سوالنامے کے تین حصے تھے:

1. پہلے حصے میں مدرسے کے بارے میں معلومات
2. دوسرے حصے میں درسگاہ کے بارے میں معلومات
3. تیسرے حصے میں مدرسے کے اندر موجود ہم نصابی سرگرمیوں اور تجاویز وآرا کی تفصیل درج تھی

اس سوالنامے کے مطابق اپنا سروے جاری رکھا گیا۔ تاہم اکثر مدارس کے منتظمین حضرات نے یہ سوالنامہ خود ہی مکمل کیا۔ جن مدارس کا سروے کیا گیا وہ مدارس (وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، وفاق المدارس السلفیہ پاکستان اور رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان) کے ساتھ ملحق تھے۔ ان مدارس کے علاوہ جن جدید طرز کے تعلیمی اداروں کا سروے کیا گیا ان میں اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ، صفہ سیویز سکول سسٹم کراچی، دارارقم سکولز سسٹم اور ٹرسٹ جمعیت تعلیم القرآن کے مکاتب اور شاخیں شامل تھیں۔ پاکستان کے مدارسِ حفظ کے سروے سے جو نتائج اخذ کیے گئے وہ درج ذیل ہیں۔

حفظِ قرآن کے مدارس کی سروے (Survey) کے نتائج

سروے کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ پاکستان میں حفظ کے ادارے تین طرح کے ہیں۔ روایتی مدارس، جدید طرز کی قرأت اکیڈمیز اور قرآن ہاؤسز، تحفیظ القرآن کی سہولت دینے والے جدید اسلامک سکولز اور ٹرسٹ کے تحت چلنے والے ادارے۔ سروے کے لیے منتخب کردہ بیس 20 سوالوں کا خلاصہ ان تینوں اقسام کے اداروں کے حوالے سے درج ذیل ہے۔

یومیہ اسباق کی ترتیب

حفظ قرآن کے مدارس کے منہج و اسلوب میں عموماً یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یومیہ حفظ کرنے کا طریقہ کار تمام مدارس میں یکساں ہے۔ طالب علم روزانہ کی بنیاد پر اپنے نئے سبق کی ہر آیت کا بار بار تکرار کر کے اسے یاد کرتا ہے اور یاد

ہونے پر اپنے استاد کو سناتا ہے۔ سبق کے ساتھ ساتھ سبقی (جس پارے میں طالب علم کا سبق ہوتا ہے) اور منزل (سبقی کے علاوہ یاد کیے ہوئے پارے) بھی سناتا ہے۔

مدارس کی عمارت

روایتی مدارس میں سے اکثریت ایسے مدارس کی ہے جہاں مسجد کے ہال، گیلری یا تہہ خانے میں حفظ کی تعلیم دی جاتی ہے جبکہ جدید اداروں میں حفظ کی تعلیم کے لیے مسجد سے ملحقہ یا الگ عمارت قائم ہے۔

حفظِ قرآن کی درسگاہ

روایتی مدارس کی اکثریت ایسی ہے جہاں ایک ہی کھلی جگہ میں حفظ کی درسگاہیں قائم ہیں، ان درسگاہوں کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے بلکہ تھوڑی سی جگہ چھوڑ کر دوسری درسگاہ موجود ہے۔ جبکہ جدید اداروں میں حفظ کی تعلیم علیحدہ علیحدہ کمروں میں ہوتی ہے۔

اوقاتِ مدرسہ

روایتی مدارس کی اکثریت ایسی ہے جو کل وقتی ہیں۔ کل وقتی سے مراد وہ مدارس ہیں جہاں طالبعلم چوبیس گھنٹے کی زندگی مدرسے میں گذارتا ہے اور طالبعلم کے خوراک اور رہائش کی ذمہ داری مدرسہ کی ہوتی ہے۔ تعلیمی اوقات بعد نماز فجر تا عشاء کی نماز کے بعد تک ہیں۔ اس دوران کھانے اور آرام کا مناسب وقفہ ہوتا ہے۔ جبکہ جدید اداروں کی اکثریت جز وقتی ہے۔ جز وقتی سے مراد وہ ادارے ہیں جن میں ظہر یا عصر تک حفظ کی تعلیم ہوتی ہے۔ چھٹی ہونے پر طلباء گھروں کو چلے جاتے ہیں اور دوسرے دن وقت مقررہ پر واپس آتے ہیں۔

حفظِ قرآن کے لیے عمر کی شرط

روایتی مدارس میں سے دیہی مدارس میں حفظ کی تعلیم کے لیے عمر اور تعلیم کی شرائط نہیں پائی جاتیں جبکہ شہری مدارس میں عمر اور تعلیم کی شرائط پائی جاتی ہیں۔ جبکہ جدید اداروں میں عمر اور تعلیم کی شرائط قدرے سخت ہیں۔

عصری تعلیم کا فقدان

روایتی مدارس کی اکثریت وہ ہے جو حفظ کے ساتھ عصری تعلیم کے حق میں نہیں ہیں اور دیگر علوم و فنون کو حفظ کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ جبکہ جدید اداروں میں حفظ کے ساتھ عصری تعلیم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

ہم نصابی سرگرمیاں

روایتی مدارس میں سے اکثریت ان مدارس کی ہے جہاں ہم نصابی سرگرمیاں صرف ماہانہ بزم کی حد تک ہوتی ہیں اور وہ بزم بھی تقریباً فعال نہیں ہوتی۔ جبکہ جدید تعلیمی اداروں میں باقاعدگی سے بزم اور دیگر معاشرتی سرگرمیوں کا انعقاد ہوتا ہے اور طلباء کو جسمانی کھیلوں کی بھی سہولت دی جاتی ہے۔

تربیتِ اساتذہ کا اہتمام

روایتی مدارس میں سے اکثریت ان مدارس کی ہے جو تربیتِ اساتذہ کو اہمیت نہیں دیتے اور اساتذہ اپنے اساتذہ سے حاصل کی گئی تربیت کے مطابق تدریس کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ جبکہ جدید تعلیمی اداروں میں اساتذہ کو تربیت کی سہولت حاصل ہوتی ہے۔

اساتذۂ حفظ کا مشاہرہ

روایتی مدارس میں سے اکثریت ان مدارس کی ہے جہاں اساتذہ کا مشاہرہ انتہائی کم ہے اور دیگر سہولیات (خوراک ، رہائش، علاج معالجہ ، انعام و اکرام) بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جبکہ جدید مدارس میں اساتذہ کا مشاہرہ معقول ہے اور دیگر سہولیات بھی حاصل ہیں۔

ہاسٹل کا انتظام

کل وقتی مدارس میں سے اکثر مدارس ایسے ہیں جہاں طلباء کی رہائش ہال نما کمرے میں ہوتی ہے، البتہ نگرانی کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ جبکہ بعض مدارس میں طلباء کی رہائش کے لیے الگ کمرے مخصوص ہیں۔

یونیفارم کی پابندی

روایتی مدارس میں سے دیہی مدارس میں طلباء کے لیے یونیفارم کا کوئی قانون مرتب نہیں ہے بلکہ طلباء اپنی مرضی کے کپڑے پہن کر آتے ہیں۔ جبکہ شہری مدارس اور جدید تعلیمی اداروں کی اکثریت وہ ہے جہاں یونیفارم کا قانون مرتب ہے اور طلباء سے یونیفارم کی پابندی کروائی جاتی ہے۔

تادیب و سرزنش کے اصول

روایتی مدارس میں سے دیہی مدارس میں تادیب و سزا کا تصور موجود ہے اور طلباء کو تربیت کے نام پر جسمانی سزا دی جاتی ہے۔ جبکہ شہری مدارس میں تادیب و سزا کی روک تھام کے لیے قوانین وضع کیے گئے ہیں تاہم تربیت کے نام پر سزا کا تصور موجود ہے۔ جبکہ بہت کم مدارس میں سزا پر مکمل پابندی ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں جسمانی سزا پر مکمل پابندی عائد ہے

درس گاہ میں متعلمین کی تعداد

روایتی اور جدید تعلیمی اداروں میں سے اکثریتی مدارس وہ ہیں جہاں درسگاہ میں طلباء کی تعداد کی حد مقرر نہیں ہے۔ درسگاہ میں طلباء کی تعداد کی حد کے مقرر کرنے یا نہ کرنے میں مدارس کو دستیاب وسائل کا عمل دخل بھی ہے۔ جبکہ بہت تھوڑے اداروں میں درسگاہوں میں طلباء کی تعداد کی حد مقرر ہے اور اس تعیین کی پابندی کی جاتی ہے۔

طلبہ کی کارکردگی

روایتی مدارس میں سے اکثر مدارس میں والدین کے ساتھ طالب علم کی کارکردگی کے حوالے سے رابطہ کرنے کی سہولت نہیں ہوتی۔ طالب علم کی کارکردگی کی تمام ذمہ داری اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ جبکہ جدید تعلیمی اداروں میں طلباء کی کارکردگی کے حوالے سے باقاعدہ والدین کے ساتھ رابطہ کیا جاتا ہے اور والدین کو باخبر رکھا جاتا ہے۔

قواعدِ تجوید کا لحاظ

روایتی اور جدید تعلیمی اداروں میں سے اکثریت ان اداروں کی ہے جہاں حفظ کے دوران عموماً تجوید کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ صرف تلفظ ٹھیک کروانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جبکہ بہت تھوڑے ادارے ایسے ہیں جہاں تلفظ کے ساتھ ساتھ تجوید کے ابتدائی قواعد بھی یاد کروائے جاتے ہیں اور طلباء کو مشق کروائی جاتی ہے۔

حفظ کی پختگی و ضبط

روایتی مدارس کے طلباء میں سے اکثر طلباء کے ضبط میں فراغت کے بعد کمی نہیں آتی۔ جبکہ جدید تعلیمی اداروں کے طلباء کے ضبط میں فراغت کے بعد کمی آجاتی ہے۔ ضبط میں کمی کی وجوہات میں سے طالبعلم کے حفظ کی طرف شوق کی بجائے والدین کا اصرار، گھر اور مدرسے کے ماحول میں مطابقت کا نہ ہونا، فراغت کے بعد طالبعلم کا دیگر مشاغل میں مصروف ہو جانا اور قرآن کریم کی دہرائی کو مناسب وقت نہ دے پانا شامل ہیں۔ حفاظ کرام میں کثیر تعداد ان جدید سکولوں کے فضلاء کی ہے۔

سمعی و بصری معاونات کا عدم استعمال

سمعی و بصری معاونات کے استعمال میں مدارس تذبذب کا شکار ہیں۔ اکثریت مدارس ان معاونات کو حفظ کے لیے مخل گردانتے ہیں۔ جبکہ بعض مدارس ان معاونات سے حفظ میں استفادہ کر رہے ہیں لیکن ان مدارس کی تعداد کم ہے۔ ان مدارس میں جو معاونات استعمال کی جا رہی ہیں ان میں تختہ سیاہ و سفید اور ٹیپ ریکارڈر شامل ہیں۔

سروے کے نتیجے میں مدارسِ حفظ کے لیے تجاویز و آراء

مدارسِ حفظ کے سروے کرنے سے مدارس حفظ میں تدریس حفظ کے حوالے سے کچھ آراء اور تجاریز ضبط تحریر میں لائی جاتی ہیں تاکہ معیارِ حفظ میں مزید بہتری لائی جا سکے:

حفظِ قرآن کے لیے بنیادی عوامل

حفظ کے لیے بنیادی چار عناصر (منتظم مدرسہ، والدین، استاد، طالبعلم) اگر فعال ہوں اور ان چاروں عناصر کا آپس میں رابطہ اور تعاون مضبوط ہو، مدرسے اور گھر کے ماحول میں مطابقت ہو، طالبعلم کی اخلاقی تربیت اور ترغیب کا مناسب انتظام ہو، استاد تجربہ کار ہو اور ان چاروں عناصر کا یہ عمل اخلاص پر مبنی ہو تو طالب علم کا حفظ پختہ ہو گا اور طالب علم باعمل ہو گا۔

حفظِ قرآن کے لیے سمعی و بصری معاونات سے استفادہ

حفظ کی تعلیم میں سمعی و بصری معاونات کا استعمال جائز ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کے لیے مکاتب کا اجراء کیا اور ایک مکتب میں تعلیم کے لیے حضرت عامر بن عبداللہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور بیت المال سے ان کے لیے اجرت نہیں بلکہ وظیفہ جاری کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچوں کے لیے تختی پر لکھیں اور ذہین بچوں کو زبانی تعلیم دیں[30]۔

حفظ کے مدارس کے سروے کے نتیجے اور مشہور قراء کرام کی آراء میں حفظ کی تعلیم کے لیے جن سمعی و بصری معاونات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، وہ درج ذیل ہیں۔

- تختہ سیاہ و سفید بصری معاونات میں سے نہایت اہم معاون ہے۔ عام طور پر درسگاہ کے اگلے حصے میں دیوار میں بنوایا جاتا ہے یا الگ سے لٹکایا جاتا ہے۔ تختہ سیاہ کم خرچ و مفید معاون ہے۔ حفظ کی تدریس میں تختہ سیاہ کا استعمال ابتدائی بچوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے بچوں کو حروف کی پہچان اور ان کے استعمال میں آسانی ہوتی ہے۔
- ٹیپ ریکارڈر اور سی ڈیز سے بعض مدارس عملاً استفادہ کر رہے ہیں اور اس سے خاطر خواہ نتائج حاصل کر رہے ہیں۔ یہ ایک آسان اور ہر جگہ دستیاب آلہ ہے۔ تجوید و قرأت میں اس کا استعمال انتہائی مفید ہے۔ لے اور لہجہ بنانے کے لیے مشہور قراء کی ریکارڈنگ طلباء کرام کو سنائی جاتی ہیں۔
- حفظ کی تعلیم میں کمپیوٹر کا استعمال نہایت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے ذریعے محفوظ شدہ آڈیو اور ویڈیو طلباء کو سنائی اور دکھائی جا سکتی ہیں نیز کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے نئے اور من پسند مواد تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے طلباء میں شوق ابھارنے کے ساتھ ساتھ خوش الحانی اور لہجے کی پختگی میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ طلباء کمپیوٹر کے ذریعے اپنی آواز آسانی سے ریکارڈ کر کے خود سن سکتے ہیں اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اساتذہ اور والدین اپنی نگرانی میں طالب علم کو کمپیوٹر کا استعمال کروائیں۔
- پروجیکٹر کے ذریعے لکھے ہوئے، چھپے ہوئے یا کمپیوٹر کی سکرین پر موجود مواد کو بڑے پردے پر دکھایا جا سکتا ہے۔ جس کی بدولت طلباء کرام کو ناظرہ اور تجوید کے قواعد آسانی سے سمجھائے جا سکتے ہیں اور پوری درسگاہ کو بیک وقت متوجہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے سیکھنے کے عمل میں بہتری اور تیزی آتی ہے۔

اوپر دیے ہوئے تمام پروجیکٹڈ معاونات کو موقع محل کی مناسبت سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور خاطر خواہ نتائج حاصل کیے

جا سکتے ہیں۔ لیکن اس بات کا دھیان رہے کہ ان چیزوں کی حیثیت ثانوی ہو اور انہیں صرف حفظ کے عمل کو بہتر اور آسان بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو اور ان کے استعمال سے اصل مقصد یعنی حفظ القرآن الکریم کو فائدے کی بجائے نقصان نہ ہو۔

- طالب علم کی عمر 7 سے 12 سال کے درمیان ہو، کیونکہ اس عمر کے بچے کا ذہن کچا ہوتا ہے اور جو چیز وہ یاد کرتا ہے وہ پختہ اور دیرپا ہوتی ہے۔ اس عمر میں بچے کا ذہن دنیاوی لذتوں اور پریشانیوں سے صاف ہوتا ہے۔
- طالب علم کے والدین حفظ کی اہمیت، فضائل اور حافظ کی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہوں اور وہ مدرسے اور گھر کے ماحول میں یکسانیت پیدا کر سکیں کہ طالب علم ہر دو جگہ پر حفظ کے عمل کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکے۔ اور اس کا ذہن گھر کے ماحول میں آکر پراگندہ نہ ہو۔
- ہر طالب علم کا جائزہ لیا جائے اور وقتاً فوقتاً والدین سے بچوں کے مستقبل کے بارے میں مشاورت کی جائے اور جو طالب علم حفظ میں ناکام ہو رہا ہو اس کے لیے جلد از جلد فیصلہ کیا جائے۔ تاکہ اس کی کام کے سیکھنے اور معاشرے کا مؤثر فرد بننے کی عمر نہ نکل جائے۔
- حفظ کی درسگاہوں میں طلباء کی تعداد 10 تا 15 ہو جبکہ گردان کی درسگاہ میں طلباء کی تعداد 8 تا 12 ہونی چاہئے۔ کل وقتی مدارس میں قاعدہ اور ناظرہ کی درسگاہوں میں طلباء کی تعداد 30 تا 40 ہونی چاہئے۔ جبکہ حفظ کی درسگاہ میں طلباء کی تعداد 20 تا 25 ہو اور گردان کی درسگاہ میں طلباء کی تعداد 15 تا 20 ہو۔
- حفظ کی پختگی اور معیاری تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ اسے زیادہ وقت دیا جائے۔ حفظ کے اساتذہ کی رائے میں یومیہ حفظ کے لئے کم از کم آٹھ گھنٹے ہونے چاہئیں۔
- یومیہ منزل کی مقدار حفظ کیے ہوئے پاروں کی تعداد کے مطابق ہونی چاہئے۔ مشاہیر قراء کرام کی رائے میں جب دس پارے حفظ مکمل ہوں تو روزانہ دو پارے منزل سنائی جائے اور جب یہ تعداد بیس تک پہنچ جائے تو روزانہ تین پارے منزل سنائی جائے۔ دو پارے منزل تک ایک غلطی اور تین پاروں میں دو غلطیوں تک کی گنجائش ہو۔ غلطیوں کی نشاندہی ہونے پر دوبارہ وہی غلطی آنے کا امکان نہ ہو۔
- تجوید، قرآن مجید کے حروف کی درست ادائیگی اور صحیح مخارج سے ادا کرنے کا نام ہے۔ مشاہیر قراء کرام اور مدرسین کی رائے میں حفظ کی ابتدا نورانی قاعدہ سے ہو اور نورانی قاعدہ ہی میں حروف کی پہچان اور مخارج کی ادائیگی درست کر دی

جائے۔

- حفظ کی درسگاہوں کی ترتیب عمر کے لحاظ سے ہو اور ملتے جلتے عمر کے طلباء کو ایک درسگاہ میں داخل کیا جائے۔ اسی طرح رہائش میں بھی عمر کا لحاظ رکھا جائے۔ ہال میں رہائش گاہ ہونے کی صورت میں بھی ایک عمر کے طلباء کو ایک ہی جگہ میں رہائش دی جائے۔
- جدید طرز تعلیم میں یونیفارم کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اس سے ادارے کے نظم و نسق کا اندازہ بھی لگایا جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مدارس طلباء کے یونیفارم اور ظاہری وضع قطع میں ایسے اصول اپنائیں جن میں اتباع سنت کے ساتھ ساتھ معاشرتی اقدار کا لحاظ رکھا گیا ہو تاکہ مدرسے کا طالب علم احساس محرومی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہو۔
- تعلیم و تربیت کی غرض سے تادیب و سرزنش اور سزا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں اس کے لیے ان کو مارو۔[31] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے بچوں کو قرآن پڑھنے میں لحن یعنی غلطی پر مارتے تھے[32]۔ فقہاء نے یہاں یہ وضاحت کی ہے کہ مارنے سے مراد ہاتھ سے مارنا ہے اور ہلکی سزا دینا ہے۔ ابن اخوہ نے معالم القربہ فی احکام الحسبہ میں لکھا ہے کہ مودب بچوں کو بے ادبی، فحش گوئی اور دوسرے غلط کاموں پر مار سکتا ہے البتہ اتنے موٹے ڈنڈے سے نہ مارے کہ جلد پھٹے یا ہڈی ٹوٹ جائے اور نہ اتنی ہلکی مار مارے کہ جسمانی تکلیف نہ ہو بلکہ درمیانی سزا دے۔ ایسا کوڑا استعمال کرے جس کا چمڑا چوڑا ہو۔ ہاتھ، ران اور پنڈلیوں پر مارے۔ ان جگہوں پر مارنے میں کسی بیماری یا غیر معمولی اثر کا خطرہ نہیں ہوتا ہے۔[33] مکتب کے معلمین کا درہ مشہور تھا، وہ بچوں کو اسی سے سزا دیتے تھے۔ میمونہ بنت کرام ثقفی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حجۃ الوداع میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور آپ ﷺ کے ہاتھ میں مکتب کا درہ تھا:

وبید رسول اللہ ﷺ درۃ کدرۃ الکتاب [34]

مدارسِ حفظ میں سکولز کی طرح باقاعدہ اسمبلی کا انعقاد کیا جائے۔ جس میں تلاوت کلام پاک، نعت رسول مقبول ﷺ، دعا، قومی ترانہ، احادیث، قومی پرچم لہرانا اور اقوال زریں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ نیز یہ تمام امور بچوں سے کروائے جائیں اور ہر بچے کی عملی شرکت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس سے طلباء میں اجتماعیت اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے[35]۔

- مدارسِ حفظ میں طلبہ کونسل کا قیام بھی عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ ہم نصابی سرگرمیوں میں طلبہ کونسل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ طلبہ کی منتخب کردہ جماعت ہوتی ہے جو ایک لکھے ہوئے دستور کے مطابق منتخب اور قائم ہوتی ہے۔ طلبہ میں اپنے مناصب اور ذمہ داریوں کے درست استعمال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نیز ضبطِ نفس، تعاون اور اعلی کردار جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں۔[(36)]
- مدارسِ حفظ میں بھی اساتذہ کے زیرِ نگرانی کھیلوں کے انعقاد کی ضرورت ہے۔ کسی بھی تدریسی نظام میں کھیل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کھیل جسمانی نشوونما کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے بچوں میں اجتماعی سرگرمیوں، تعاون اور سماجی ضروریات سے آگاہی پیدا ہوتی ہے۔ فراخدلی کے جذبات اور شکست کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔[(37)]
- مدارس حفظ میں اساتذہ کی تقرری کے وقت عمر، تجربے اور استعداد کے ساتھ ساتھ استاد کی ذاتی صلاحیتوں کو بھی مدنظر رکھا جائے۔ اچھے اخلاق کے حامل محنتی اور قابل اساتذہ کی تقرری کی جائے۔ اساتذہ کی تقرری کے وقت تجربہ کار اور تربیت یافتہ اساتذہ کو ترجیح دی جائے۔
- حفظ کے نئے اساتذہ کو ابتدا میں تجربہ کار اساتذہ کے معاون کے طور پر خدمات سپرد کی جائیں جو کہ چند ماہ تک تجربہ کار اساتذہ کی نگرانی میں منزل اور سبقی سپارہ سنیں اور بچوں کو گردان کروائیں۔
- حفظ کے اساتذہ کا مشاہرہ معقول ہو اور اساتذہ کو دستیاب سہولیات میسر ہوں۔ ذہنی طور پر مکمل ہم آہنگی کے بغیر تعلیم ممکن نہیں رہتی۔ اگر استاد ذہنی طور پر مطمئن نہ ہو اور معاشی مسائل کے ہاتھوں پریشان ہو تو مفید تعلیم کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔
- استاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ طالب علم کی یومیہ کارکردگی (رپورٹ) لکھے اور اس رپورٹ سے منتظمین کو آگاہ کرے اور اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر طالب علم کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے تعلیمی کارکردگی بہتر کرنے کے لیے اقدامات کرے۔
- طالب علم کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ مدرسہ اور درسگاہ کے قواعد وضوابط کی پابندی کرے اور اپنا تمام دھیان حفظ میں لگائے۔
- والدین کو چاہیے کہ وہ منتظمین مدرسہ کے ساتھ مکمل تعاون کریں اور مدرسہ کی طرف سے جاری کردہ ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں اور اساتذہ اور منتظمین سے مسلسل رابطے میں رہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1 أبو عبداللہ محمد بن إسماعیل بن إبراہیم، صحیح البخاری، حدیث (5027)، دار طوق النجاۃ، 1422ھ

2 محمد عبدالملک ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، مترجم مولوی قطب الدین احمد محمودی 1: 344، اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور (س۔ن)

3 مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت: 11، ادارہ اسلامیات لاہور، 2000ء

4 محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، التاریخ الکبیر 2: 132، دائرۃ المعارف العثمانیہ الھند (س۔ن)

5 خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت: 48

6 محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ، مکتبہ دار السلام ریاض، 1433ھ

7 صحیح بخاری، کتاب العلم

8 ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود 2: 160، دار الکتاب العربی، بیروت (س۔ن)

9 سیرت ابن ہشام 1: 338

10 ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی، الجرح والتعدیل 1: 8، دائرۃ المعارف العثمانیہ الھند، 1952ء

11 التاریخ الکبیر 4: 184

12 علامہ شبلی نعمانی، الفاروق: 65-264، دار الاشاعت کراچی، 1991ء

13 ابو محمد علی بن حزم اندلسی، المحلی 8: 195، مکتبہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، قاہرہ، 1352ھ

14 التاریخ الکبیر 4: 121

15 احمد بن غنیم بن سالم بن مہنا، الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابن ابی زید القیروانی: 61، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1358ھ

16 احمد بن یحیی بن جابر بن داود البلاذری، فتوح البلدان: 438، دار و مکتبۃ الہلال بیروت، 1988ء

17 ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی، المحکم فی نقط المصحف: 11، دار الفکر بیروت، 1997ء

18 ندوی ابوالحسنات، مولوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں: 13، مکتبہ خاور، مسلم مسجد لاہور، اپریل 1979ء

19 محمد قاسم فرشتہ، تاریخ فرشتہ، حالات محمود غزنوی، مترجم عبدالحیٔ خواجہ 1: 77، المیزان ناشران و تاجران کتب لاہور، 2008ء

20 ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں: 77

21 محمد عمر اسحاق، ایک سروے رپورٹ، ہندوستان کے اہم مدارس: 45-46، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز نئی دہلی، 1996ء

22 نفس مصدر: 50

23 مرزا بسم اللہ بیگ، تذکرۃ قاریان ہند 2: 205، میر محمد کتب خانہ، کراچی، 1970ء

24 اظہار احمد تھانوی، برصغیر پاک و ہند میں تجوید و قرأت کا آغاز، ماہنامہ رشد لاہور، ص 68، قرأت نمبر 2، جلد 20، شمارہ 4، جمادی الاخری 1430ھ

25 نفس مصدر: 69

26 ڈاکٹر محمود الحسن عارف، پانی پت میں علم القراءت: 225، قرات نمبر 3، ماہنامہ رشد لاہور، مارچ 2010ء

27 نفس مصدر: 225

28 پانی پت میں علم القراءت: 227

29 نفس مصدر: 228

30 خیر والقرون کی درسگاہیں: 337

31 سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ

32 امام بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، باب الضرب علی اللحن، دار البشائر الاسلامیہ بیروت، 1989ء

33 ابن اخوہ، معالم القربہ فی احکام الحسبۃ: 14، طبع کیمبرج، 1962ء

34 محمد بن سلیمان المغربی، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد 1: 592، مکتبہ ابن کثیر و دار ابن حزم، بیروت، لبنان (س۔ن)

35 نظم و نسق مدرسہ، بی ایڈ پروگرام، کورس کوڈ 513، ص 268، شعبہ ایلیمنٹری ٹیچر ایجوکیشن، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2008ء

36 نفس مصدر: 268

37 نظم و نسق مدرسہ، بی ایڈ پروگرام، کورس کوڈ 513، ص 270